اسلامی دستور میں معاشرتی فلاح کے اساسی تصورات

Basic Principles of Social Welfare in The Islamic State

ڈاکٹر سائرہ طیبہ[1] ڈاکٹر رضیہ شبانہ[2]

ABSTRACT:
Islam rightly guides not only individual but also society as well. In Islamic state it is the duty of Muslim to establish good and prohibit evils. The aim of Islam is to refrain people from bad actions. The Holy prophet (pbuh) himself declares that purpose of his prophet hood was to reform humanity and preaches morality. The prime goal of an Islamic state or society is to be a model of Islamic teaching. The basic purpose of Islamic state is to stop evils and promote good. It works under the supremacy of Allah Mighty, so its Law based on Quran and sunnah. It promotes peace and order, social justice, perfect Equality and social and Economic development. The last messenger of Allah Mighty Hazrat Muhammad (pbuh) formed the first constitution of Islamic state which comprises of, welfare of citizen, living with peace and harmony, Brotherhood, perfect Equality, mutul co-operation and respect, protection of collective interests. In this Islamic state the Rights of poor and needy people were also safe guarded. In present world the concept of welfare state is not only to provide all basic necessities of life, but state is also responsible for provision of basic human rights, liberty, social justice and Equality. Human efforts for the establishment of welfare state can be only fruitful by following the teaching of Quran and sunnah,

Key words: Constitution, Islamic constitution, welfare Islamic state, Elements of welfare Islamic society, Fundamental rights, Liberty, public welfare.

دستور کے لغوی معنی ہیں مجموعہ قوانین، وہ کتاب جس میں آئین و قوانین ضبط کیے جائیں۔[1] اس کی جمع ہے دساتیر۔[2]

دستور ایک عمرانی معاہدہ ہے جسکی تمام ضروری تفصیلات ایک مختصر اور جامع دستاویزات کی شکل میں ہوتی ہیں اور کسی کو بھی ان سے انحراف کرنے کی مطلقاً گنجائش نہیں دی جاسکتی ہے۔ دستور کا وجود کسی بھی ملک کے سیاسی و قانونی ڈھانچے کے لیے ناگزیر ہوتا ہے جن کا تعلق اپنے عہد، اپنی روایات، اپنی خواہشوں اور اپنی امنگوں سے ہوتا ہے۔ جدید ریاستی تنظیم میں دستور کو سیاسی زندگی میں کلیدی اہمیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ دستور عوام اور اصحاب الرائے کی خواہشات ک ترجمان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے کسی قوم کے ماضی کا بیان اور حال کی طرف تسلسل معلوم ہوتا ہے اور اسی سے مستقبل کی جانب سفر ممکن ہے یہی وہ مقیاس ہے جس سے عوام کی امنگوں، آرزوں، اور خواہشات کی پیمائش کی جاسکتی ہے۔ یہی وہ قندیل ہے جسے لے کر ملکی ترقی کے لیے کوشش کی جاتی ہے اسی کی مدد سے ادارے وجود میں آتے ہیں۔ دستور ہی وہ آیئنہ ہے جس میں کسی ملک کی تاریخ کا عکس دیکھا جاسکتا ہے اور حال کا پرتو بھی اسی دستور میں ملتا ہے۔

1 Research Scholar, Islamic Research Center, BZU, Multan
2 Associate Professor, Department of Islamic Studies, BZU, Multan.

جمہوری حکومت اور مطلق العنان حکومت کے درمیان بنیادی فرق یہی ہوتا ہے کہ مطلق العنان حکومت کسی دستور کی پابند نہیں ہوتی جبکہ جمہوری نظام میں حکومت اس بات کی پابند ہے کہ وہ اپنا نظام حکومت دستور کے مطابق چلائے۔ دستور اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جس میں حکومت چلانے کے قواعد و ضوابط درج ہوں گویا کہ دستور حکومت کا قانون ہے مثلا اس میں درج ہوتا ہے مقننہ، صدر، وزیر اعظم، انتظامیہ کے اختیارات کیا ہیں۔[3] ایک مقولہ مشہور ہے: ”جہاں پر قانون نہیں ہوتا وہاں ظلم واستبداد کا راج ہوتا ہے“ اور یہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کا سب سے اہم شعبہ جو معاملات حیات کا مکمل احاطہ کرتا ہے قانون ہی ہے۔ جس کی وسعت اور ہمہ گیریت کا یہ عالم ہے کہ یہ ریاست کے معاملات سے لیکر فرد کی معاشی، معاشرتی، مذہبی وسیاسی تمام ضروریات کا تعین کرتا ہے۔ اجتماعی زندگی (معاشرتی زندگی) کے تمام مسائل کا حل دستور (قانون) نے فراہم کیا ہے۔ یعنی قانون اجتماعی توازن کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ ”قانون سے مراد ہے کہ انسانی زندگی کو منضبط کرنے کے لیے قواعد وضوابط کا ایسا مجموعہ جو افراد کی رضامندی سے مرتب کیا جائے اور حکومت اسے نافذ کرے۔“ ماہرین قوانین کے مطابق قوانین کی دو قسمیں ہوتی ہیں: 1۔ دستوری قانون 2۔ پارلیمانی قانون

دستوری قانون: اس قانون سے مراد کسی ملک کا وہ بنیادی قانون ہوتا ہے جس کے تحت حکومت وعوام کے باہمی تعلقات اور حکومت کے مختلف شعبوں کے باہمی تعلقات کی وضاحت ہوتی ہے۔

پارلیمانی قانون: جو کسی ملک کے عوام کے منتخب شدہ ارکان پارلیمان عوام کی ضروریات کے پیش نظر باہمی اتفاق سے وضع کرتے ہیں۔[4]

اسلامی دستور:

اسلامی تعلیمات فرد کی اصلاح وہدایت سے شروع ہوتی ہے اور سیاست وحکومت پر انکا اختتام ہوتا ہے۔ اسلام میں جس قوت سے انفرادی معاملات میں احکام نازل ہوئے، اسی پیرائے میں اجتماعی اور سیاسی تنظیم کے باب میں رہنمائی ملتی ہے۔ ابتداً فرد کو ایک اکائی فرض کر کے اس کے متعلق امور بیان ہوئے اور اسی اکائی کے ایک بہت بڑے مجموعے کو بعد میں ایک دوسری اکائی موسوم بہ ریاست میں تبدیل کر دیا گیا۔ لھذا اسلامی دستور میں اسلامی حکومت اپنی حکمت عملی کے قلم رو میں ایک مکمل، بلند وبرتر تحریری مجموعہ قوانین (قرآن حکیم) کی پابند ہے۔ یہ قانون کائنات کے خالق (فرمانروائے اعلیٰ) کی طرف سے بصورت محکم نازل ہوا ہے اور انسانیت عامہ کی صحیح رہنمائی، انصاف کا قیام، معاشرہ کی قانونی شیرازہ بندی اور اختلافات کو مٹانا اس کا مقصد ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ. فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ۔[5] "ایک حکم بند مجموعہ قانون جو دستاویزی شکل میں ہے"۔

آنحضرت ﷺ نے مرض وفات میں آخری ہدایت یہ کی کہ قانون الٰہی (کتاب اللہ) کو ضابطہ عمل کے طور پر برقرار رکھا جائے۔[6]

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن وسنت میں متعدد ایسے احکام واصول موجود ہیں جو اسلامی دستور کے لیے منبع واساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان سے انحراف کسی طرح روا نہیں ہے لہذا اسلامی دستور سے مراد۔

”مسلمانوں کو انفرادی واجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانا اور ایسے اقدامات کرنا جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں۔“[7]

اسلامی دستور کے بنیادی اصول:

اسطرح قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں نظامت و خلافت کو چلانے والی ریاست کے دستور کے بنیادی اصول یہ ہوں گے:

1۔ مقتدر اعلیٰ:

اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) ایک جدید سیاسی اصطلاح ہے۔ جس کے معنی برتر و اعلی (Supreme) کے ہیں۔ مغربی سیاسی نظریہ کے مطابق ریاست کے عناصر اربعہ (آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلی) میں سے اقتدار اعلی کو اولین مقام حاصل ہے۔ اسلامی ریاست میں اقتدار اعلی کا منصب اللہ رب العزت کے لیے مختص ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ۔[8]

ترجمہ: یہی اللہ تمہارا رب ہے، بادشاہت اسی کی ہے، کوئی الہ اس کے سوا نہیں پھر تم کدھر پھرتے ہو۔

لہٰذا انتظامیہ کے اختیارات محدود ہو کر اللہ اور رسول کے قانون کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لیے انتظامیہ کوئی ایسی پالیسی ترتیب نہیں کر سکتی جو اس آئینی دائرہ سے باہر ہو۔

2۔ اطاعت امیر:

قرآن مجید میں جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم ہے وہاں اس سے متصل "اولی الامر" کی اطاعت کا حکم بھی دے دیا گیا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا۔[9]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

آنحضرت ﷺ اطاعت امیر سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من اطاع امیری و فی روایۃ من اطاع الامیر فقد اطاعنی و من عصی امیری و فی روایۃ من عصی الامیر فقد عصانی۔[10]

ترجمہ: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی اور جس نے میرے امیر یا مسلمانوں کے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کیا اور جس نے میرے امیر یا مسلمانوں کے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

3۔ شورائیت:

ایام جاہلیہ میں عربوں کے ہاں بالخصوص اہل مکہ کے ہاں شوری کا نظام عملاً موجود تھا، اس ضمن میں دار الندوہ کو بہت شہرت حاصل ہے۔[11] یعنی مکہ کی حکومت میں شورائیت کا عنصر موجود تھا اسلام نے نہ صرف اس دائرہ کو قائم رکھا بلکہ اصلاح و تہذیب کر کے دینی سیاست میں

اس کو غیر معمولی اہمیت دی۔ اسلام میں امیر جہاں قرآن وسنت کا پابند ہوتا ہے، وہاں اسے ایمان والوں سے مشورہ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اجتماعی امور کو حل کرنے اور بنیادی معاملات کے فیصلے کا حق کسی خاص فرد کے حوالے کرنے کی بجائے ساری امت کے حوالے کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاَمۡرُہُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَہُمۡ۔[12] "ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں"۔

غزوہ بدر اور غزوہ احد جیسے اہم امور کا فیصلہ بھی باہم مشورہ سے طے پایا۔ غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے جبکہ صحابہ کی اکثریت کی رائے اس کے برعکس تھی حافظ ابن کثیر اس صورت حال کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

وأبي كثير من الناس إلا الخروج إلى العدو ولم يتناهوا إلى قول رسول الله صلى الله عليه وسلم ورأيه۔[13]

ترجمہ: اکثریت مدینہ سے باہر نکلنے پر مصر تھی اور انہوں نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

مندرجہ بالا دستوری اصولوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے جس کی بنیاد اصول وعقائد پر ہے نہ کہ نسل، نسب یا خاندان پر۔ تمام مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر متفق ہیں اس ریاست میں مساوی حقوق رکھتے ہیں۔

ریاستی نظام میں دستور کی اہمیت:

ریاست یا مملکت کے لیے انگریزی زبان میں اسٹیٹ (State) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جسکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ یونانی زبان کے لفظ (Status) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی قیام یا مقام کے ہیں۔[14]

ریاست کا لفظ اردو زبان میں عربی سے آیا ہے یہ لفظ راس سے نکلا ہے معنی سر یا چوٹی کے ہیں۔ اس بنیاد پر ہر ریاست سے مراد انسانی معاشرے کی تنظیم اور سربراہی ہے۔

قدیم جاگیردرانہ نظام میں ایسا خطہ زمین جو ایک طاقتور زمیندار کی ملکیت ہوتا تھا جس کی بنیاد پر وہ عوام پر اپنی حاکمیت قائم رکھتا تھا جبکہ جدید دور میں ریاست انسانوں کی ایک منظم اجماعیت کا نام ہے یعنی کہ خاص علاقہ میں موجود انسانوں کا ایک ایسا معاشرہ جو اپنی حکومت رکھتا ہو اور جس پر دستور و قانون کی حکمرانی قائم ہو ریاست کہلاتی ہے۔[15]

انسان نے اپنے اجتماعی زندگی کی تربیت و تہذیب کے حوالے سے جو ادارے قائم کیے ہیں ان میں ریاست کا ادارہ سب سے اہم اور بنیادی ہے دراصل ریاست وہ سیاسی حیثیت ہے جس کے ذریعے ایک ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا معاشرتی نظام قائم کرتے ہیں پوری انسانی تاریخ بجائے خود ریاست کے قیام و استحکام، اسکی تنظیم و تہذیب، اور اسکے فروغ و ارتقا کی تاریخ بن گئی ہے یہ ادارہ نہ صرف ہر دور کی صاحبان عقل وفکر کا نظریاتی موضوع رہا ہے بلکہ فلسفہ علم سیاسیات کی رو سے یہی ادارہ اجتماعی زندگی کا مقصد و محاصل ہے۔

دور جدید میں ریاست کا تصور ایک ایسی منظم اجتماعیت کا ہے جو اپنے تمام شہریوں کو زندگی کی تمام بنیادی ضروریات فراہم کرنے کی ذمہ دار ہو لہذا قدیم و جدید سیاسی مفکرین ریاست کو موثر، مستحکم اور خوشگوار بنانے کے لیے دستوری خاکے ہمیشہ پیش کرتے رہے ہیں اسلام کا

مقصد اگرچہ دنیا میں حکومت وسلطنت کا قیام نہیں ہے لیکن وہ حسن عمل کا نتیجہ ہے۔ اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں سے استخلاف فی الارض کا وعدہ کیا ہے جسکا ذکر اس قرآنی آیت میں موجود ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔[16]

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا اور یہ طے ہے کہ جملہ امور کا انجام خدا کے اختیار میں ہے۔

اسلام کے احکام و قوانین کا پورا قیام نفاذ حکومت کے بغیر نہیں ہو سکتا رسول آخر الزماں ﷺ نے قرآن مجید کی ہدایت الٰہی کی روشنی میں ایک ایسی مثالی ریاست مدینہ قائم کی جو ایک نئے تہذیب و تمدن کی بنیاد بنی اور رہتی دنیا تک کے لئے مثال بن کر سامنے آئی۔ عہد رسالت کے سادہ نظام حکومت کی تکمیل خلافت راشدہ کے زمانے میں ہوئی جس نے آگے چل کر ایک عظیم الشان حکومت کی شکل اختیار کر لی۔

مدینہ میں حضور اکرم ﷺ نے تشریف آوری کے بعد شہر مدینہ کی آبادی کے جو مختلف عناصر تھے ان سب کے نمائندوں کو بلا کر انکے سامنے حکومت قائم کرنے کی تجویز پیش کی اس تجویز کو اکثریت نے قبول کیا۔ اس طرح ایک مملکت قائم ہوئی جو علمی و تاریخی نقطہ نظر سے ایک امتیازی حیثیت اس طرح رکھتی ہے کہ اس مملکت میں حکمران ورعایا کے جو حقوق و فرائض ہونگے ان کو تحریری طور پر مرتب کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں اس مملکت کا دستور مرتب کیا گیا اور سب کے مشورے سے اسے لکھا گیا۔ یوں دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور "امی" شخص کے ہاتھوں وجود میں آیا اور یہیں حضور اکرم ﷺ کی قیادت میں پہلی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔[17]

اس دستور کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صدر اسلام میں قرآن کے علاوہ کوئی دوسری چیز لکھنے کی ممانعت تھی لیکن اس دستور کو آنحضرت ﷺ نے خود قلم بند کروایا۔[18]

کسی ایسی ریاست کو جس میں بسنے والے لوگ مختلف مذاہب، مختلف قبائل اور مختلف نظریات کے حامل ہوں کو کسی ایک دستور کا پابند کرنا مشکل کام تھا۔ اس دستاویز کی 52 (باون) دفعات تھی۔[19] یہ دستاویز حضور اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کا شاہکار ہے۔ مدینہ میں حضور اکرم ﷺ کے مرتب کردہ پہلے اسلامی دستور،، فی کتا به للمہا جرین و الا نصار،، (دستور العمل مہاجرین وانصار) یا، ووقع فی کتاب رسول اللہ صلعم لیھود،، دستور العمل یہودیان،، کے ذریعے سے مدینہ اور اس کے اطراف کی ایک وفاقی حکومت بنی جس کا دار الحکومت مدینہ تھا۔[20] اور جس کے سربراہ رسول کریم ﷺ تھے جس میں کلمہ نافذ اور غالب حکمرانی مسلمانوں کی تھی اسطرح مدینہ واقعتا اسلام کا دار الحکومت بن گیا[21]۔ اس دستور کے تحت اعلان کیا گیا کہ یہ مملکت ایک مستقل اور خود مختار مملکت ہوگی غیر مسلموں کو انکے دین کی پوری آزادی ہوگی۔ تمام لوگوں کو دینی، عدالتی، اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا۔[22]

یہ ہے مختصر خاکہ اس ریاست کا جس کا تصور ہمیں قرآن مجید میں ملتا ہے۔ گویا کہ یہ ایک ذمہ دار افراد کا منظم معاشرہ ہے جو اپنا حقیقی مقتدر اعلی خالق کائنات کو مانتے ہوں اس کے عطا کردہ اختیارات حکومت اپنے میں سے اہل تر افراد کو سونپتے ہیں اور باہمی مشاورت سے اپنے معاملات میں بہتری کی مثبت کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہو کر ایک خوشگوار ماحول اور خوش حال معاشرہ تشکیل دیتے ہیں جس میں انصاف

کا بول بالا ہوتا ہے اور لوگ اپنے رب کی اطاعت کے لئے ساز گار ماحول پاتے ہیں۔ ٹھیک یہی ہے وہ اصل مقصد جس کے لئے اللہ تعالی انبیاء کرام کو مبعوث کرتا ہے۔

فلاحی معاشرے کے بنیادی عناصر:

انسان مدنیت پسند ہے، مل جل کر رہنا انسانی شخصیت کی اندرونی آوز ہے، اسے حیاتیاتی خواہش کا نام دیا جائے یا" ارتقائی کیفیات کا نتیجہ " بات ایک ہی ھے کہ انسان معاشرت پسند ہے۔ انسان زندگی کے بلکل ابتدائی اور سادہ دور میں اجتماعیت پسند تھا۔ انسان اس وقت ایک اجتماعی زندگی گزار رہا ہے۔ یہاں تک کہ بعض حیوان بھی فطرتا معاشرت پسند ہیں جیسے چیونٹی، شہد کی مکھی، بھڑ وغیرہ۔ انہیں (Social Insect) کہا جاتا ہے۔ انسان بھی ایسا ہی ہے معاشرت انسان کی فطری ضرورت ہے۔ خالق انسان نے اسے محض فرد کی حثیت سے پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اجتماعی زندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اجتماعیت کی تشکیل، قوموں کا وجود، معاشروں اور سلطنتوں کی تنظیم انسان کے اسی فطری شعور کا حصہ ہے جو اللہ تعالی نے اسے ودعیت کیا ہے۔ اجتماعی زندگی اس کی فطرت کی آواز ہے۔ گویا نظم اجتماعی پیدا کرنا اس کا فطری جذبہ ہے۔ مشہور فلسفی ارسطو کے مطابق انسان مدنی الطبع ہے۔[23]

ابن خلدون اپنے الفاظ میں اسے یوں بیان کرتا ہے: "افراد انسانی کا اکٹھے مل جل کر رہنا ایک ناگزیر امر ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جسے اہل علم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے"۔[24]

گویا معاشرہ انسانی روابط کی اس تنظیم کا نام ہے جو ہم خیال افراد نے بنایا ہوان کے مقاصد و مفادات میں یکسانیت ہو۔ معاشرہ کی مندرجہ زیل الفاظ میں تعریف کی گی ہے: "یہ انسانی روابط کا ایک کلی مرکب ہے اس جیثیت سے کہ یہ روابط عمل سے پیدا ہوتے ہیں، جو ذرائع و مقاصد کے رشتے سے قائم ہے"۔[25]

آج جو دنیا میں مختلف نظام ہائے فکر، ریاست و بادشاہت، جمہوریت اور مختلف تنظیموں کی شکلیں نظر آرہی ہیں، ان کے پیچھے انسان کا معاشرت پسندی ہی کا جذبہ کار فرما ہے۔ معاشرہ کے لیے قانون ضروری ہے بلکل اسی طرح کہ جیسے انسان کے لیے معاشرہ ضروری ہے اس لیے کوئی معاشرہ قانون وضابطوں سے خالی نہیں تھا۔ یعنی ایسے قواعد وضوابط جو افراد کے آپس کے تعلقات کو منظم کریں۔ کبھی یہ ضابطے رسم ورواج اور عرف سے عبارت ہوتے ہیں تو کبھی طبعی قوانین یا مذہب سے اخذ کیے جاتے ہیں اسلام فطری معاشرت پسندی کی تائید کرتا ہے قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو محض ایک فرد کے طور پر پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس کی فطرت میں اجتماعیت کا شعور ودیعت کیا ہے۔ اسلام باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس اجتماعیت کی نشوونما میں معاونت کرتا ہے اور ایسے فطری اصول دیتا ہے جن سے اجتماعیت کو تقویت ملے وہ اس کے لیے صالح بنیادیں فراہم کرتا ہے اور ایسے عوامل کا قلع قمع کرتا ہے جو اسے بگاڑیں یا غیر مفید بنادیں۔ فرد اجتماعی زندگی کے لیے جو جمعیتیں بناتا ہے اسلام ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور ان کے لیے اصول و قوانین فراہم کرتا۔ مفید اور غیر مفید جمعیتوں کی تمیز سکھاتا اور صحیح جمعیتوں کی حدود وقیود بیان کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔[26]

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی، اور زکوٰۃ ادا کی اور نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا اور یہ طے ہے کہ جملہ امور کا انجام خدا کے اختیار میں ہے۔

خلافت ارضی اجتماعی زندگی کی عکاسی کرتی ہے انسان اس زمین کو بساتا بھی ہے اور نسل انسانی کی تنظیم بھی کرتا ہے۔ یہ تنظیم انسانی اجتماعی زندگی کا بھرپور مظہر ثابت ہوئی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً.[27]

ترجمہ: اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں ضرور زمین میں اپنا نائب بناؤں گا۔

مذہب نے جہاں فرد کی اصلاح کے ذریعے معاشروں کو تبدیل کیا وہاں ریاست کو ضابط حکومت عطا کر کے اسے معاشرے کی اصلاح اور فلاح کا زریعہ بنایا۔ انبیاء کرام کے قائم کردہ اس تہذیب و تمدن کی ابتدا پہلے انسان آدم سے ہوئی اور اسکی کامل و اکمل صورت خداے عزو جل نے اپنے برگزیدہ، آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعے عطا کی۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں حجاز کی سرزمین سے اس روش کو پوری دنیا کے لئے پھیلانا شروع کیا اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کر دی۔

آنحضرت ﷺ نے عرب رسم و رواج کو جہاں ختم کرنا ضروری تھا وہاں انہیں ختم کر کے، جہاں ان میں ترمیم و اضافہ کی ضرورت تھی وہاں ترمیم و اضافہ کر کے اور جو محاسن تھے انکو باقی رکھتے ہوئے اسلامی فلاحی معاشرے کی بنیاد رکھی چنانچہ اس طرح اسلامی فلاحی معاشرے اور تہذیب کی بنیاد خالق و مالک کے عطا کردہ اصول تھے اور جزئیات اور فروعات، انسانی بصیرت کے تحت، وقت کے تقاضوں کے مطابق طے پا تے تھے یہی وجہ ہے کہ یہ اسلامی فلاحی ریاست بعد میں صدیوں پر محیط نظام تمدن کی بنیاد بنی۔

یہ ایسی شہری ریاست تھی جس کا سارا انتظام نبی آخر زماں ﷺ کی سربراہی میں ترتیب پایا اور آپ ﷺ نے اس ریاست کی تشکیل اور تعمیر میں انسانوں کی قیادت فرمائی اور پھر اس ریاست کو استحکام تک پہچانے میں بہ نفس نفیس سربراہی کا کردار ادا کیا۔ اسلامی ریاست کی بنیاد کھلے طور پر اسلامی معاشرہ پر ہے اور اسلامی معاشرہ ہر فرد کی روحانی نشو نما کے قوانین فراہم کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسی سوسائٹی قائم کرنے کا خواہاں ہے اور داعی ہے جو افراد کی روحانی اور اخلاقی ترقی اور ان کی ذہنی و فطری صلاحیتوں کے نشو نما کے لیے ساز گار ماحول اور فضا پیدا کر سکے۔ ساتھ ہی وہ فرد کے لیے جسمانی اور مادی احتیاجات کی تکمیل کی ضمانت بھی فراہم کرتی ہو۔ تا کہ افراد معاشرہ مکمل طور پر اسلامی زندگی گزار سکیں۔ لہٰذا اسلام کا بنیادی مطمع نظر ریاست کا قیام نہیں بلکہ ایک ایسے عادلانہ اور صالح معاشرہ (امت) کا قیام ہے جو مسلم افراد کے خلاقی و روحانی ارتقاء اور ان کی شخصیت اور ان کی فطری صلاحیتوں کے نشوو ارتقاء کے لئے مدو معاون ہو سکے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا قیام مقصود بالذات نہیں بلکہ عادلانہ و صالح معاشرہ (امت) کے قیام و استحکام اور اس کے تحفظ و بقا جیسے اعلیٰ و ارفع مقصد کے حصول کے لئے ایک وسیلہ ہے۔

لہٰذا اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے جو اسے غیر مسلم ریاستوں سے ممتاز کرتی ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو فروغ دینے کی کوشش کرتی ہے جن سے اسلام انسانیت کو آراستہ کرنا چاہتا ہے اور ان برائیوں کو میں مٹانے میں اپنی ساری قوت خرچ کر دے جن سے اسلام انسانیت کو پاک کرنا چاہتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.[28]

ترجمہ: تم وہ بہترین جماعت ہو جسے نوع انسان کے لیے پیدا کیا گیا تم نیک کام کرنے کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.[29]

ترجمہ: تم میں سے ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔

لہذا اسلامی ریاست جہاں عوام الناس کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ دار ہے ہوتی ہے وہاں ان کی اخلاقی وروحانی تعمیر وتہذیب بھی اپنے ذمہ لیتی ہے۔لہذا اسلامی حکومت کی یہ مستقل حکمت عملی ہے کہ ریاست کے ان دونوں بنیادی ستونوں کو کمزور نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ عدل گستری اور انسانی مساوات، کے نفاذ کے ذریعے اصلاح معاشرہ اور اعلی انسانی اوصاف کی نشونما کو یقینی بنائے۔

ذیل میں ہم ان چند اہم بنیادی عوامل (عناصر) کا جائزہ لیتے ہیں جو اسلامی معاشرہ وریاست کی تشکیل میں اساسی حثیت کے حامل ہیں:

بنیادی انسانی حقوق:

دور جدید میں ہر دستور کا بنیادی حصہ جو عصر حاضر کے جمہوری دساتیر میں موجود ہوتا ہے وہ بنیادی حقوق (fundamental Rights) کہلاتا ہے جمہوری دساتیر اس بات پر سب سے زیادہ فخر کرتے ہیں کہ ہمارے جمہوری نظام میں انسان کے بنیادی حقوق کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے جبکہ مطلق العنان حکومتوں میں افراد معاشرہ کے بنیادی حقوق کا کوئی تحفظ نہ تھا۔ دستور میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا قانون نہیں بنا جائے گا یا حکومت کوئی ایسا اقدام نہیں کرے گی جو فرد کی جان ومال یا آبرو پر حملہ آور ہو اسی طرح ہر فرد کو اظہار رائے کی مکمل آزادی حاصل ہو نیز یہ کہ ہر فرد کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حقوق کی دستاویز برطانیہ کے بادشاہ جان دوم نے تیرہویں صدی عیسوی میں تیار کی تھی اس کو (Magna Karta) میگنا کارٹا کہتے ہیں۔ یہ بہت ہی مشہور دستاویز ہے۔ برطانیہ اس بات پر فخر کرتا ہے کی دنیا میں سب سے پہلے بنیادی حقوق ہم نے متعارف کروائے۔ اس دستاویز میں انسانی حقوق سے متعلق صرف یہ درج ہے کہ کسی شخص کو قانون کے بغیر گرفتار نہیں کیا جائے گا۔[30] اور اس دستاویز میں زیادہ تر امراء ہی کے مفاد کو تحفظ دیا گیا تھا۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس کی تعلیمات انسانی زندگی کے جملہ پہلوں پر حاوی ہیں اس لیے اس نے انسانی حقوق سے متعلق بھی واضح تعلیمات دی ہیں۔ اسلام میں فرد کے حقوق سے لے کر اجتماعیت کے عروج تک کی تمام تفصیلی ہدایات موجود ہیں۔ انسانی ہمدردی، خیر خواہی، اور امداد وتعاون کی وہ تمام تفصیلات جنہیں آج دنیا بنیادی انسانی حقوق کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ حقوق ہمیں اسلام عطا کرتا ہے اور اسلامی ریاست انکے تحفظ کی ذمہ دار ٹھہرتی ہے۔ وہ بنیادی انسانی حقوق جنکے متعلق قرآن وسنت میں ارشاد ملتے ہیں ان میں جان ومال کی حفاظت، عزت وناموس کی حفاظت، شخصی آزادی کی حفاظت، ذاتی ملکیت کی حفاظت، عقیدے اور مسلک کی حفاظت وغیرہ شامل ہیں، خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی پہلی تقریر میں حقوق کی ادائیگی کا اس انداز میں ذکر کیا:

والضعيف فيكم قوي عندي حتى أريح عليه حقه إن شاء الله، والقوى فيكم ضعيف حتى آخذ الحق منه إن شاء الله۔[31]

ترجمہ: تمہارے درمیان جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلوادوں، اگر خدا چاہے، اور تم میں سے جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کر لوں۔

جان ومال اور آبرو کی حفاظت:

اسلامی ریاست کے فرائض میں انسانی حقوق کا تحفظ بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ قرآن ہر انسان کو جینے کا حق دیتا ہے اور ایک انسان کے ناحق قتل کو انسانیت کے قتل سے تعبیر کرتا ہے۔ قتل انسان حرام ہے سوائے اس کے کہ کوئی انسان فتنہ وفساد اور انسانیت کے لیے خطرہ بنے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ.[32] "کسی نفس کے قتل کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ"۔

لہٰذا قرآن کی رو سے انسان کا پہلا حق زندہ رہنے کا ہے۔ جس معاشرے کے افراد کو جان ومال کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے وہاں نہ پائیدار اجتماعیت جنم لیتی ہے اور نہ ہی شہریوں اور ریاست کے درمیان معاہدے پر مبنی اطاعت برقرار رہتی ہے۔ اور ایسا معاشرہ خطرناک قسم کے انتشار اور ابتری کا شکار ہو جاتا ہے اسی کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا:

إن دماءكم وأعراضكم حرام عليكم إلى أن تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا۔[33]

ترجمہ: بلاشبہ تمہاری جان ومال اور آبرو ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہیں جس طرح آج کا یہ دن ہے حتی کہ تم اللہ تعالیٰ سے جاملو۔

آپ ﷺ سے مزید مروی ہے: كل المسلم على المسلم حرام دمه و ماله و عرضه۔[34] "مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی اس کا مال بھی اس کی آبرو بھی"۔

یہ وہ اصول ہے جسے آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی ریاست میں قائم کیا تھا۔

ملکیت کی حفاظت:

ہر شخص کی ملک ذاتی (Private Property) جسکا وہ جائز طور پر مالک ہو بالکل محفوظ ہو گی۔ حکومت اس میں کسی قسم کی مداخلت کی مجاز نہ ہو گی۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

وليس الامام أن يخرج شيئا من أحد الا بحق ثابت معروف۔[35]

ترجمہ: امام حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی ثابت شدہ قانونی حق کے بغیر کسی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی چیز نکالے۔

آزادی: شخصی آزادی:

اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی شخصی آزادی (Personal Liberty) کی حفاظت کرے۔ اسلامی ریاست اس بات کا اہتمام کرے کہ کوئی بھی کسی کی آزادی مجروح نہ کرے حتی کہ ریاست بھی اس آزادی کو سلب نہ کرے۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں

دیتا کہ محض شبہ اور اوہام کی بنیاد پر کسی شخص کو دھر لیا جائے۔ اللہ تعالی نے جس آزادی کا حق انسان کو بخشا ہے اس حق سے محروم نہ کیا جائے۔ مقدام بن معدیکرب اور ابو امامہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

إنّ الأميرَ إذا ابتغى الرِّيبةَ في النّاسِ أفسَدَهُم۔[36] "امیر جب لوگوں کے اندر شبہات کی تلاش کرے تو ان کو بگاڑ دیتا ہے"۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

یا عمرو متی استعبدتم الناس وقد ولدتھم أمھاتھم أحرارا۔[37]

ترجمہ: اے عمروؓ تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنایا حالانکہ ان کی ماوں نے ان کو آزاد جنا تھا۔

مولانا امین احسن اصلاحی کے مطابق اسلام میں حکومت افراد معاشرہ کو ازادی بہم پہنچانے کا زریعہ ہے لھذا اسلام کسی غیر معمولی حالت (State of Emergency) میں بھی ریاست کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ انصاف کی شرطیں پوری کئے بغیر کسی شہری کی آزادی سلب یا محدود کرے۔[38]

رائے و مسلک کی آزادی:

مدینہ میں حضور اکرم ﷺ کے مرتب کردہ پہلے اسلامی دستور، فی کتابہ للمھاجرین و الانصار (دستور العمل مہاجرین و انصار) یا ووقع فی کتاب رسول اللہ صلعم لیھود،، دستور العمل یہودیان میں یہ صراحت بھی ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے دین کی پوری آزادی ہوگی۔ چنانچہ ایک دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

للیھود دینھم وللمسلمین دینھم ۔[39] "یہودیوں کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین ہے"۔

لہٰذا اسلامی ریاست جہاں ایک طرف اپنے مسلم شہریوں کو سیاسی و مذہبی معاملات میں آزادی دیتی ہے تو دوسری طرف زیادہ رواداری کا سلوک کرتے ہوئے اپنے غیر مسلم شہریوں کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی کھلی اجازت دیتی ہے۔ ریاست ان کے مذہبی معاملات میں نہ مداخلت کرتی ہے نہ کسی شہری کو کرنے دیتی ہے۔ اسلامی ریاست میں آزادی رائے قرآن و سنت کی حدود کے اندر رہ کر حاصل ہے اسلامی ریاست اس بات کی کھلی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنی رائے کو دلیل سے پیش کرے۔ اصل چیز کتاب و سنت ہے اس سے انحراف دین سے انحراف کے مترادف ہوگا۔ دور حاضر میں رائے اور مسلک کی آزادی بڑی اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ لادینی ریاستوں (Secular State) میں چونکہ مذہبی عقیدہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس لیے فرد ریاست سے وفاداری کے بعد ہر قسم کا عقیدہ و مسلک رکھ سکتا ہے تاہم یہ صرف ایک نعرہ کے طور پر رائج ہے، عموماً ریاست کے مسلک اور اس کی رائے کو ہی تفوق حاصل رہتا ہے۔

مساوات:

اسلام سے پہلے کی تمام انسانی تہذیبیں، مصر، ایران، روم اور ہندوستان، انسانی مساوات کے اصولوں سے ہمیشہ نا آشنا رہی۔ اسلامی ریاست میں ان ریاستوں کی طرح حاکم و محکوم، امیر و غریب، فاتح و مفتوح، سفید و سیاہ، آزاد و غلام کی بنیاد پر قائم کوئی طبقاتی معاشرہ نظر نہیں آتا۔ یہاں فارس سے آنے والا مسلمان شوریٰ کا ایک اہم رکن ہو سکتا ہے اور حبشہ سے آنے والا غلام سیدنا بلال (ہمارا سردار بلال) کہلواتا ہے۔

معاشرتی مساوات:

قرآن کی رو سے تمام انسان اللہ کی نظر میں برابر ہیں، کسی رنگ نسل یا علاقہ کی وجہ سے کسی کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اللہ نے تمام انسانوں کو ایک ماں اور ایک باپ سے پیدا کیا ہے اس لیے اجتماعی یا معاشرتی زندگی میں انسانوں کو اعلی یا ادنی درجوں میں تقسیم کرنا جہالت ہے۔ اللہ کے نزدیک اس آدمی کا درجہ زیادہ ہے جو نیکی کی ترقی برائی کے خاتمہ کی جدوجہد کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔[40]

ترجمہ: اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں قبائل اور گروہ میں تقسیم کیا تاکہ تم تعارف حاصل کر سکو، یقیننا اللہ کے نزدیک تم سب میں سے عزت والا وہ ہے جو تم میں دیادہ متقی ہے۔

لہٰذا اس اصول کے تحت اسلامی ریاست اپنی رعایا کو مساوی درجہ دیتی ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنے سے کم تر خیال کرے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "کسی گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں"۔[41]

اس سے بڑھ کر معاشرتی مساوات کا مظاہرہ کس طرح ہو گا کہ حضرت عمرؓ جب بیت المقدس کی فتح کے موقعہ پر معاہدہ کے لیے یروشلم گیے تو سواری پر آدھا سفر آپؓ نے اور آدھا سفر آپؓ کے غلام نے طے کیا۔[42]

لہٰذا اسلامی ریاست معاشرتی مساوات کو قائم رکھتی ہے اور اپنے انتظامی اختیارات سے مصنوعی میمیزات کو ختم کرتی ہے۔

قانونی مساوات:

اسلامی ریاست کا ہر شہری خواہ امیر ہو یا غریب بادشاہ ہو رعایا قانون کی نظر میں بالکل مساوی حثیت رکھتا ہے ہر شخص اور ہر طبقہ بغیر کسی امتیاز کے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام عدالت کے تحت ہے نہ مختلف طبقات کے لیے قانون کی نوعیت میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے نہ غریب اور امارت یا اس قسم کی کسی اور وجہ کی بنا پر قانون کے اجرا اور نفاذ میں کوئی فرق واقع ہو سکتا ہے۔ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی ریاست کا حکمران اعلی (برطانیہ کا بادشاہ) قانون سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اور اس کے خلاف کسی عدالت میں دعوی نہیں کیا جا سکتا لیکن اسلام میں پیغمبر کو بھی یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ کہ قانون کے معاملے میں عام مسلمانوں سے اس کا مقام کچھ نمایاں ہو یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس قانون کے داعی تھے اس پر سب سے بڑھ کر عمل کرنے والے تھے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قانون کی حکمرانی کو قائم رکھے اسلامی ریاست قانونی مساوات کی علم بردار ہے۔ قانونی مساوات کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إنما هلك من كان قبلكم أنهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذي نفسي بيده لو أن فاطمة فعلت ذلك لقطعت يدها۔[43]

ترجمہ: تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

اسلامی نظام میں غریب اور امیر کے لیے دو مختلف عدالتی نظام نہیں پائے جاتے۔ اللہ اور رسول نے جو قانون دیا ہے وہ سب پر

یکساں جاری و نافذ ہوتا ہے خواہ وہ امیر المومنین ہو یا بوجھ اٹھانے والا مزدور اسلامی ریاست عام شہری کی تفریق نہیں کرتی۔

معاشی مساوات:

اسلامی معاشی مساوات یہ ہے کہ معاشی میدان میں کام کرنے کے مساوی مواقع مہیا کیے جائیں اور تقسیم زر میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا جائے لہذا اسلامی ریاست معاشی مساوات کا بھی لحاظ رکھتی ہے، لیکن معاشی مساوات میں اس کا نقطہ نظر عام ریاستوں سے مختلف ہے۔ دور حاضر میں بعض ریاستیں مساوات کا دعوی کرتی ہیں لیکن حقیقی مساوات ان میں موجود نہیں۔ عدل اجتماعی کا تقاضا ہے کہ ریاست ان افراد کی کفالت کرے جنکا کوئی کفیل نہیں ہے یہ ایک اجتماع حق ہے جسے یوں بیان کیا گیا ہے جسکا کوئی وارث نہیں ریاست اس کی وارث ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

أنا وارث من لا وارث له أعقل له وأرثه۔[44]

ترجمہ: میں اس کا وارث ہوں جس کا وارث نہیں اس کی جانب سے میں دیت دوں گا اور اس کا وارث ہوں گا۔

ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ جس طرح وہ لاوارث کی جائیداد کی مالک بنتی ہے اسی طرح وہ قرض اور دیت کی صورت میں بھی ذمہ دار ہو اگر کوئی شخص بیوی بچے چھوڑ کر مر جاتا ہے تو ریاست ان کی بھی کفیل ہو گی۔ اسلامی ریاست معاشی مساوات میں لوگوں کی صلاحیتوں اور ان کی مجبوریوں کا لحاظ رکھتی ہے اگر کوئی شہری اعلی صلاحیت رکھتا ہے تو اسے اس کی صلاحیتوں کے مطابق فوائد حاصل ہوں گے اور اگر بے یارو مدد گار ہے تو اسلامی ریاست اس کی کفالت کرتی ہے۔ اسلامی ریاست اس معاشی مساوات کی قائل نہیں جس میں ہر شخص کو جبرا ایک مقام پر لایا جائے اور زائد اشیا پر ریاست قبضہ کر لے۔

فلاح عامہ:

اسلام کے طے کردہ انسانی مقام و مرتبہ کی روشنی میں معاشرے کا ہر ایک فرد محترم اور مفید ہے لہذا اسلامی ریاست انسانوں کے حقوق و فرائض میں توازن قائم کرے اور اسے بر قرار رکھنے کی جدوجہد میں رہے۔ اس سلسلے میں مسلم اور غیر مسلم امیر و غریب یا اعلیٰ و ادنی کی کوئی طبقاتی تقسیم نہیں ہے۔ ضرورت مندوں، یتیموں۔ مسکین اور فقرا کی مسلسل خبر گیری کی پابند ہے۔

خلیفہ ثانی نے ایک یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اسے گھر لے گئے اور بیت المال کے ذمہ دار کو بلا کر اس کا روزینہ مقرر کر دیا اس موقع پر اپ نے یہ الفاظ کہے کہ خدا کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی سے جزیہ لے کر کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں[45]۔ آپؓ کے عہد خلافت میں نو مولود بچوں کے وظائف مقرر تھے۔ اسی طرح جو ذمی بوڑھے اپاہج اور مفلس ہو جاتے نہ صرف ان کا جزیہ معاف ہو جاتا بلکہ اسلامی ریاست کا بیت المال ایسے لوگوں کی کفالت کا ذمہ دار ہو جاتا۔ اسلام میں معاشرتی بہبود کا بنیادی مقصد معاشرے کے محتاجوں، بیکسوں، معذوروں، بیماروں، بیواوں، اور بے سہارا لوگوں کی دیکھ بھال اور ان کی فلاح و بہبود ہے۔

یہ مقصد بہتر طور پر اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی ضرورت اور معذوری دور کر کے معاشرے میں دولت اور ضرورت کے درمیان توازن پیدا کیا جائے:

وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ.[46] ۔ "اور ان کے اموال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محروم افراد کے لئے ایک حق تھا"۔

ان کے مالوں میں حق تھا مدد مانگنے والے کیلئے اور رزق سے محروم رہ جانے والے کے لیے اسلامی دستور کی روح سے تمام کمزوروں کو تحفظ کا حق دیا جاتا ہے اور کسی عورت، بوڑھے، بچے اور بیمار پر دست درازی ناجائز ہے خواہ وہ اپنی قوم سے تعلق رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔

حرفِ آخر:

یہ ہیں وہ بڑے بڑے دستوری احکام جو ہم کو کتاب و سنت میں ملتے ہیں اور جو اسلامی فلاحی معاشرے کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست دراصل فلاحی مملکت ہے جو شہریوں کی معاشی کفالت قیام عدل و انصاف اور ادائیگی حقوق کی ذمہ دار ہے۔ غربت اور افلاس کو مٹانے کے لیے، زکوۃ، صدقات و خیرات کی تقسیم، مجبور، اپاہج، لاچار اور بے سہارا لوگوں کو معاشی سہارا دینا اسکا طرہ امتیاز ہے ایسا معاشی نظام جس میں تمام لوگوں کو جدوجہد وترقی کے جائزہ و مساوی حقوق حاصل ہوں اسلامی ریاست کا اولین فرض ہے اسلامی فلاحی ریاست ایسی ریاست ہے جس کا اول مقصد فلاح انسانیت اور رضائے الٰہی ہے عہد نبوی اور خلفائے راشدین کی اسلامی ریاست میں یہی خوبیاں پائی جاتی تھی ان خصوصیات پر ایک نظر ڈالنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلامی ریاست تاریخ انسانی کی تمام ریاستوں سے بہتر اور حق کی حامل تھی جن کے اصول و مبادی فطری و عملی تھے اور جو انسانیت کی حقیقی فلاح اور کامیابی کی ضامن تھی۔

سفارشات:

اسلامی دستور کے مطابق اللہ تبارک تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے لہذا ارباب اختیار کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر اختیار واقتدار کو استعمال کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

فلاحی معاشرے کی صحت مند نشونما اور تعمیر وترقی کے لیے بلاامتیاز معاشرتی انصاف فراہم کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ جب معاشرتی انصاف ممکن ہو جائے تو معاشرے کی برائیاں خود بہ خود ختم ہو جاتی ہیں لہذا وہ طبقات جو کسی وجہ سے کسی بھی شعبہ زندگی میں پسماندہ ہوں ان پر خصوصی توجہ دی جائے ان کے تعلیمی اور معاشی مفادات کو تحفظ فراہم کیا جائے اور ترجیح بنیادوں پر تعلیمی اور معاشی ترقی کے لیے اقدامات کیے جائیں سہل اور سستا انصاف مہیا کیا جائے۔

فلاحی ریاست کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اسلامی ریاست ہونے کے ناطے عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہود کے لئے ترجیحی بنیادوں پر دولت کی منصفانہ تقسیم، دولت کے ناجائز ارتکاز کو روکنے، لوگوں کو سستا اور فوری انصاف مہیا کرنے نیز مفاد عامہ کے تحفظ کے لیے موثر اقدامات کرے عام آدمی کے معیار زندگی کو بلند کرے تمام شہریوں کے لیے ملک میں دستیاب وسائل کے مطابق مناسب روزگار کی سہولت مُہیا کرے۔

کسی ریاست کی تعمیر وترقی کا حقیقی انحصار امن وامان پر ہوتا ہے لہذا اسلامی ریاست میں پائیدار امن وامان قائم کرنے کے لیے راست اقدام کیے جائیں ریاست سے وفاداری ہر شخص کا بنیادی فرض ہے جو شخص طاقت یا طاقت کے استعمال سے دستور کی تنسیخ کرے یا تنسیخ کرنے کی سعی کرے یا ملکی امن وآمان کے خلاف سازش کرے یعنی تخریب کرے یا تخریب کرنے کی سعی کرے یا سازش کرے یا مذکورہ افعال میں مدد دے یا معاونت کرے تو ایسے شخص کے لیے ریاست بذریعہ قانون سزا مقرر کرے۔

بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت دی جائے اور ان حقوق میں مساوات، قانون کی نظر میں برابری، معاشرتی معاشی اور سیاسی انصاف، اظہار رائے، عقیدہ، دین، عبادت اور اجتماع کی آزادی شامل ہو۔

ہر شہری کو قانون کا تحفظ حاصل ہو اور اسکے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کیا جائے کوئی ایسی کاروائی نہ کی جائے جو کسی شخص کی جان، آزادی، جسم، شہرت یا املاک کے لیے مضر ہو سوائے جبکہ قانون اسکی اجازت دے نیز کسی شخص کو ایسا کام کرنے پر مجبور نہ کیا جائے جس کا کرنا اس کے لیے قانوناً ضروری نہ ہو۔

شرفِ انسانی قابلِ حُرمت ہو اور ہر شہری کو نقل و حرکت وغیرہ کی آزادی حاصل ہو، نیز انجمن سازی کی آزادی، قانون کے مطابق تجارت کاروبار یا پیشے کی آزادی، مناسب پابندیوں (تہذیب یا اخلاق، امن عامہ، ملکی سالمیت اور دفاع وغیرہ) کے تابع تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق حاصل ہو۔

حوالہ جات

---

[1] عبد الحفیظ، بلیاوی، ابو الفضل، مولانا، مصباح اللغات، خزینہ علم وادب اردو بازار لاہور، 1950ء، ص226

[2] ایضا

[3] تقی عثمانی، محمد، مفتی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2011، ص108

[4] عبد الرشید، محمد، اسلامی ریاست وحکومت، عملی کتاب گھر اردو بازار کراچی، 1979، ص270

[5] طور: 3

[6] ابو حیان، اندلس، البحر المحیط، ج1، ص12

[7] عبد الصمد خان، بسریا، دستور اسلامی، اسلامی جمہوریہ پاکستان، کاشف لا بک ہاوس لاہور، 2014ء، ص32

[8] الزمر: 4

[9] النسا: 55

[10] محمد بن اسماعیل، بخاری، الجامع البخاری، دہلی، 1938ء، ج2، ص1057

[11] ابن ہشام، جمال دین، عبد اللہ بن یوسف، السسیریہ النبویہ

[12] شوریٰ: 38

[13] ابن ہشام، جمال دین، عبد اللہ بن یوسف، السیریہ النبویہ، دار لحیا بروت، ص80

[14] Shipley Joseph, T., Dictionary of word origins philosophical tib., New York 1945, p334

[15] مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر، ریاست وحکومت کے اسلامی اصول، یورپ اکادمی، 2010ء، ص13

[16] الحج: 41

[17] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، بیکن بکس، اردو بازار لاہور، 2005ء، ص22

[18] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی کراچی، 1981ء، ص75

[19] ایضاً

[20]ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، الطبقات الکبری، دار وصادر والنشر، بیروت، 1960ء، ج11، ص72

[21]صفی الرحمن مبارک پوری، مولانا، الرحیق المختوم، لاہور، 1995ء، ص219

[22]محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، بیکن بکس، ملتان، ج7، ص203

[23]ارسطو، سیاسیات، 1253، الف

[24]ابن خلدون، مقدمہ، فصل فی العمران البشر، ص41

[25]انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز، ج13، ص231

[26]الحج:41

[27]البقرہ:30

[28]آل عمران:110

[29]آل عمران:104

[30] Radha Krishna, society and man,London,George,Allen and unaiss ltd, 1947,p51

[31]ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصطفی البابی، مصر، 1936ء، ج1، ص311

[32]بنی اسرائیل:23

[33]ابن ہشام، السیرہ النبویہ، دار الکتاب العربی، بیروت لبنان، 2005ء، ج4، ص250

[34]مسلم بن الحجاج القشیری، ابو الحسین، صحیح مسلم، کتاب البر والصلتہ باب تحریم الظلم، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ج8، ص11

[35]ابو یوسف، قاضی، کتاب الخراج، ص37

[36]ابو داوٗد، الکتاب الادب، باب فی النھی عن التجسس، ج4، ص375

[37]کنز العمال، ج6، ص355 / عمر الفاروق، ج2، ص219 طبع مصر

[38]امین احسن، اصلاحی، مولانا، اسلامی ریاست، دار التزکیر اردو بازار لاہور، ص115

[39]حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ج7، ص223

[40]الحجرات:13

[41]ابن ہشام، ج4، ص250

[42]ابن خلکان، وفیات ال عیان، ج2، ص168

[43]بخاری، کتاب الحدود باب اقامتہ الحدود علی الشریف والوضیع، ج2، ص1003

[44]ابو داود، کتاب الفرائض، ج3، ص149

[45]ابو عبید، کتاب الاموال، ج44، ص224

[46]الذاریات:19